بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ہستیِ باری تعالیٰ کے دلائل

(از افاداتِ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

◉

پہلی دلیل اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔ (سورۃ الاعلیٰ: ۱۵ تا ۲۰)
یعنی مظفر و منصور ہوگیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا۔ اور اس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور سے عبادت کرکے اپنے اقرار کا ثبوت دیا، لیکن تم لوگ تو دُنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیر پا ہے۔ اور یہ بات صرف قرآن شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعوےٰ موجود ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ نے جو تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کی اس میں بھی یہ احکام موجود ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے۔ کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب و مظفر ہوتے ہیں اور اس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات پہلے تمام مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے مذاہب مسیحی، یہودی اور کفارِ مکہ پر حجت کے لئے حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی مثال دیتا ہے کہ ان کو تو تم مانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے۔ پس قرآن شریف نے ہستی باری تعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی پیش فرمایا ہے کہ کل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا مشترکہ مسئلہ ہے چنانچہ جسقدر اس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت میں کُل دُنیا کے مذاہب اِس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کل جہان کو پیدا کیا مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات و عقائد میں بھی فرق پڑتا ہے، لیکن باوجود اس کے جسقدر تاریخی مذہب ہیں سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں۔ گو اس کی صفات کے متعلق اُن میں اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام۔ مسیحیت۔ یہودیت۔ بُدھ ازم۔ سکھ ازم۔ ہندو ازم اور عقائدِ زرتشتی تو سب کے سب ایک [illegible] خدا الوہیم۔ پرمیشور۔ پرماتما۔ ست گورو یا یزدان کے قائل ہی ہیں۔ مگر جو مذاہب کہ دُنیا کے

پردہ سے مٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی آثارِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جُدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں خواہ روما میں۔ خواہ انگلستان میں۔ خواہ جاوا وسماٹرا میں۔ خواہ جاپان وچین میں۔ خواہ سائبیریا و منچوریا میں۔ یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقائد سے آگاہ کیا؟ پہلے زمانہ میں ریل و تار وڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو اَب ہے۔ نہ اس طرح جہازوں کی آمد ورفت کی کثرت تھی۔ گھوڑوں اور خچروں وغیرہ کی سواری تھی اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے۔ اور بہت سے علاقے تو اس وقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے۔ پھر ان مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایک دوسرے سے ناآشنا ممالک میں ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہو گیا؟ من گھڑت ڈھکوسلوں میں تو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے۔ پھر کیا اس قدر قوموں اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلۂ خیالات کے ذرائع نہ رکھتی تھیں اِس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امرِ واقعہ ہے اور کسی نہ معلوم ذریعہ سے جسے اسلامؐ نے کھول دیا ہے ہر قوم اور ہر ملک میں اِس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اہلِ تاریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہو جائیں اُس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔ پس جب اِس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ گر کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے۔

دوسری دلیل دوسری دلیل جو قرآن شریف میں ہستیِ باری تعالیٰ کے متعلق دی ہے۔ اِن آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (الانعام: ۸۴ تا ۸۷) پھر کچھ آیات کے بعد فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۱) یعنی یہ ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابل میں دی اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔ تحقیق تیرا رب بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُسے اسحٰقؑ اور یعقوبؑ دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ دکھایا اور نوحؑ کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور ہم نیک اعمال میں کمال کرنے والوں کے ساتھ اِسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں۔ اور زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی راستہ دکھایا اور یہ سب لوگ نیک تھے۔ اور اسمٰعیلؑ۔ الیسعؑ۔ یونسؑ اور لوطؑ کو بھی راستہ دکھایا اور اِن سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔ اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی۔ پس تو اِن کے طریق کی پیروی کر۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اِس قدر

نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جاتے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف لوگ کہتے ہیں۔ اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سیدھی بات ہے کہ انہی لوگوں کی بات کو وقعت دی جائیگی جو اپنے چال چلن اور اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہی کا تتبع کرے اور اُن کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کردے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور اخلاق کے پھیلانے والے لوگ گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زبانوں میں اللہ یا گاڈ یا پرمیشور لکھا گیا ہے۔ ہندوستان کے راستباز رامچندرؑ، کرشنؑ۔ ایران کا راستباز زرتشتؑ۔ مصر کا راستباز موسیٰؑ۔ ناصرہ کا راستباز مسیحؑ۔ پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نُور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کو اس کی قوم نے بچپن ہی سے صادق کا قول دیا اور جو کہتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس ۱۷) مَیں نے تم میں اپنی عمر گزاری ہے کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو؟ اور اُس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کر سکتی۔ اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دُنیا میں ہوتے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہم کلام ہوئے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دُنیا میں کوئی کام کیا ہو۔ وہ اُن میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق و راستی جو انہوں نے دکھلائی وہ فلاسفر کیوں نہ دکھلا سکے؟ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا میں نام اوپر لے چکا ہوں صرف راستبازی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے ہیں، لیکن کبھی انکا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا، اُنکے قتل کرنے کے منصوبے کئے گئے، اُنکو وطنوں سے خارج کیا گیا اُنکو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُن سے کُل دُنیا نے قطع تعلق کر لیا مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی۔ اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیتے۔ اور اُن کے عمل نے، اُن کی دُنیا سے نفرت نے نمائش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابلِ اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ اس کی آواز سُنی اور اُس کے جلوے کا مشاہدہ کیا۔ تو اُن کے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سُنتے ہیں وہ بھی جب چند مل کر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقاتیں شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لیں گے مگر نہیں مانتے تو اُن راستبازوں کا کلام نہیں مانتے۔ دُنیا کہتی ہے کہ لنڈن ایک شہر ہے اور ہم اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیوں والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک براعظم ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے اور ہم اس کا انکار

نہیں کرتے۔ کیوں؟ اِسی لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اِس پر ہوگئی ہے۔ حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات
سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن
کی سچائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے مال و جان، وطن، عزت و آبرو کو تباہ کرکے راستی کو
دُنیا میں قائم کیا۔ پھر ان سیاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کا انکار کرنا
کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لنڈن کا وجود چند لوگوں سے سن کر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود
ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا؟

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے
ہیں کسی صورت میں بھی رد کے قابل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ جو اِس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب بالاتفاق
کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے۔ لیکن جو رُوحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو
ہماری مانو کہ خدا نہیں ہے۔ حالانکہ اُصولِ شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک
معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اُس کی گواہی کو اُس کی گواہی پر جو کہتا ہے
مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دی جائیگی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اُن میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی
ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ مَیں نے دیکھا ہے۔ پس خدا کے دیکھنے والوں
کی گواہی اس کے منکروں پر بہر حال حجّت ہوگی۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل جو قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود
خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی
قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں۔ بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا۔ پاخانہ، پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں
سے تعلق ہے۔ جھوٹ ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے۔ مگر کیوں؟
اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں وہ اپنی ماں، بہن اور دوسری عورتوں میں فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا
ہے؟ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے اگر کسی بالائی طاقت
کا رُعب اُس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں اُن سے احتراز کرتا ہے؟ اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم
اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہیئے جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اُس کے جذبات پر
حکومت کرتی ہے۔ وہ خدا کی حکومت ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے اور گو ایک دہریہ زبان سے
اُس کی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور گناہوں سے
اجتناب یا اُن کے اظہار سے اجتناب اُس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جواب دہی کا خوف جو اس
کے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ
اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ: ۲، ۳) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ کوئی جزا سزا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم ان امور
کی شہادت کے لیے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے

جس میں اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد مل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو یہ جزا سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامتِ کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دُنیا سے شروع ہے۔ زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے۔ شادی شدہ کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔
دوسری شہادت نفسِ لوّامہ ہے۔ یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے۔ تکبّر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ اُنکے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اسی لیے نا کہ اُن کا دل بُرا مناتا ہے اور دل اسی لیے بُرا مناتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے سزا ملیگی۔ گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کر سکتا۔ اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس: ۹) اللہ تعالےٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی ایک زبردست دلیل ہے اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جائے۔ اور لوگ جو دل میں آئے وہ کر لیا کریں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق ملتی ہے یہ ہے کہ: وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى۔ (النجم ۴۳ تا ۴۷) یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت و حیات سب اُسی کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اور اُس نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کا کوئی کرنے والا بھی ہو۔ پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں۔ اور وہی انتہا ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم جوں جوں پیچھے جاتے ہو کمزور ہی ہوتے جاتے ہو۔ تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو؟ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جسقدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اِس حالت کو پہنچتا ہے۔ اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لا انتہا ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں۔ اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جا کر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالےٰ

کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (النجم:۴۳) یعنی ہر ایک چیز کی انتہا آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے۔ یہ ایک ایسی موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کسی نے کسی بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو۔ تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے، پھر اتنی بڑی مخلوق کو دیکھ کر کیا میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔

پانچویں دلیل

پانچویں دلیل ہستی باری تعالیٰ کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے۔ اور وہاں استدلال بالاَولیٰ سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ۔ (الملک:۲تا۵) یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے۔ اُس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے ہیں اور اُن میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے۔ تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا۔ کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور درماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی۔ اور اتفاقی طور سے مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا۔ اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا خود بخود جڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کی کل پھرانے والا کوئی نہ ہو، لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ ان آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور پر جُڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا۔ بلکہ بے جُوڑی ہوتی ہیں۔ مختلف رنگوں سے مل کر تصویر بنتی ہے، لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اس سے تصویر بن جائیگی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے۔ لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان بن جائیگا؟ بفرضِ محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں، لیکن نظامِ عالم کو دیکھ کر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود مادہ پیدا ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی۔ اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی انسان بھی پیدا ہو گیا، لیکن تم انسان کی خلقت پر نظر تو

کرو کہ کیا ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے ؟

عام طور سے دُنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اس کے صنّاع کا پتہ لگتا ہے ۔ ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کسی بڑے مصوّر نے بنائی ہے ۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے ۔ اور جس قدر ربط بڑھتا جاتے اُسی قدر اس کے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے ۔ پھر کیونکر تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منظم دُنیا خود بخود اور یونہی پیدا ہو گئی !

ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں وہاں اُسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لئے عقل دی گئی ہے اور اُس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے ۔ چونکہ اس کو محنت سے روزی کمانا تھا ۔ اس لئے اُسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرے ۔ درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اُسے جڑیں دیں کہ وہ اس کے اندر سے پیٹ بھرے ۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اسے شکار مارنے کے لئے ناخن دیئے ۔ اور اگر گھوڑے اور بیل کے لئے گھاس کھانا مقرر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جُھک کر گھاس پکڑ سکے ۔ اور اگر اونٹ کے لئے درختوں کے پتّے اور کانٹے مقرر کئے تو اس کی گردن بھی لمبی بنائی ۔ کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا ؟ اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں ۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا اُس میں اِس قدر انتظام رکھا گیا ہو ۔ پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اُس کے لئے ہوا بھی پیدا کی ۔ اگر پانی پر اس کی زندگی رکھی تو سُورج کے ذریعہ اور بادلوں کی معرفت اُسے پانی پہنچایا ۔ اور اگر آنکھیں دیں تو اُن کے کار آمد بننے کے لئے سُورج کی روشنی بھی دی تاکہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے ۔ کان دیئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں ۔ زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں ۔ ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی ۔ ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اُس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیونکر پیدا ہو گیا ؟ ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جاتیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پر جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا کہ تا وہ اپنا کام کر سکیں ۔ اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی ۔ برفانی ممالک میں مان لیا کہ کُتّے اور ریچھ تو اتفاق نے پیدا کر دیئے لیکن کیا سبب کہ اِن کُتّوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں ۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں اور اتفاق ہی نے ان کے علاج بنا دیئے ۔ اتفاق ہی نے بچھو بُوٹی جس کے چھُونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی اور اُس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا اُگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے ۔ یہ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لئے موت تجویز کی اُن کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا ۔ اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہ رکھا ۔ انسان اگر پیدا ہوتا مگر نہ مرتا تو کچھ سالوں میں ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جاتا ۔ اس لئے اس کے لئے فنا دی لیکن سورج اور چاند

اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اس لئے ان کو ایک دوسرے سے اتنی دُور رکھا ہے کہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں۔ کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا بھی ہے۔ اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ اُن میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے۔ مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اس کی ہستی کا ثبوت معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جاتے تو کیا میں اُس سے لکھ سکتا تھا۔ شیر کو علم نہیں دیا اُسے پنجے دیئے۔ مجھے علم دیا۔ لکھنے کے لئے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبر اُن کی درستی کے لئے دن رات لگے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ اُن سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات وہ بالکل تباہ ہو جاتی ہیں، لیکن اگر اس دُنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں، لیکن یہ اتفاق غلطی نہیں کرتا۔ سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئے گی اور ہر ایک چیز میں ایک نظام معلوم ہوگا۔ نیک جزا اور بدکار سزا پا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنا مفوضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کے لئے سُست نہیں ہوتی۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے لیکن میں اِسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ عاقل را اشارہ کافی است۔

چھٹی دلیل قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مُنکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل پر ہونے کا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات دیتا ہے اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت و تائید کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون اور موسیٰؑ کی نسبت فرماتا ہے:۔ قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (النزٰعت: ۲۵، ۲۶) یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو اطاعتِ الٰہی کی نسبت کہا۔ تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ خدا کیسا؟ خدا تو مَیں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کر دیا۔ چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے۔ کہ کس طرح خدا کے مُنکر ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں دُنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی۔ بلکہ دُنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو خدا کے قائل ہیں کیا جہان کی ذلّت و نکبت اور ایک قوم کی صورت میں کبھی حکومت نصیب نہ ہونا کچھ معنے نہیں رکھتا؟

ساتویں دلیل ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اُس کی ذات کے ماننے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے اُن پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ خدا تعالےٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ایک ملک میں پیدا ہوتے ہیں اور جس قدر اُن کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں ہوئی، لیکن پھر دُنیا اُن کے خلاف کیا کر سکی؟ راجچند

کو بَن باس دینے والوں نے کیا سُکھ پایا اور انہوں نے کونسی عشرت حاصل کرلی۔ کیا رام چندر کا نام ہزاروں
سال کے لیے زندہ نہیں ہوگیا۔ اور ان کا نام ہمیشہ کے لیے بدنام نہیں ہوا؟ اور پھر کرشن کی بات کو ردّ
کرکے کیا فائدہ حاصل کیا؛ کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے؟ فرعون سا بادشاہ جو بنی اسرائیل سے
اینٹیں پتھواتا تھا اُس نے موسیٰؑ سے بے کس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰؑ کا وہ کچھ بگاڑ سکا۔ وہ
غرق ہوگیا اور موسیٰؑ بادشاہ ہوگئے۔ حضرت مسیحؑ کی دُنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور ان کی ترقی
بھی جو کچھ پوشیدہ نہیں۔ اُن کے دشمن تو تباہ ہوئے اور اُن کے غلام دُنیا کے بادشاہ ہوگئے۔ ہمارے آقاؐ
بھی دُنیا میں سب سے زیادہ اِس پاک نام کے پھیلانے والے تھے۔ یہاں تک کہ ایک یورپ کا مصنّف
کہتا ہے کہ اُن کو خُدا کا جنون تھا (نعوذ باللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ اُن کی ساری قوموں نے
مخالفت کی۔ اپنے پرائے سب دشمن ہوگئے۔ مگر کیا پھر آپ کے ہاتھ پر دُنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟
اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خُدائی
ثابت کرنے آتا اور دُنیا اُسے ذلیل کردیتی۔ مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے اُٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا
چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (المائدہ: ۵۷) اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنوں
سے دوستی کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

آٹھویں دلیل

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے وہ یہ
ہے کہ وہ دُعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں ہے
بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نظارے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: اِذَا سَاَلَکَ
عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ
وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۸۷) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال
کریں تو انہیں کہدو کہ مَیں ہوں اور پھر قریب ہوں اور پُکارنے والے کی دُعا کو سُنتا ہوں جب وہ مجھے
پُکارتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اب اگر
کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ خدا سُنتا ہے۔ کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دُعا کرنے والے کے
کام ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے اگر سب دُعائیں قبول ہو جاتیں تب تو کچھ بات بھی تھی
لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے انہیں قبول کرلیا۔ تو اس کا جواب
یہ ہے کہ دُعا کی قبولیت اپنے ساتھ ایک نشان رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد
صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوتِ باری کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ
چند بیمار جو خطرناک طور سے بیمار ہوں چُنے جائیں۔ اور قرعہ سے بانٹ لیے جائیں۔ اور ایک گروہ کا ڈاکٹر
علاج کریں اور ایک طرف مَیں اپنے حصّہ والوں کے لئے دُعا کروں۔ پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے
ہیں۔ اب اِس طریقِ امتحان میں کیا شک ہوسکتا ہے چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہوگئی تھی اور

جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اِس کا کوئی علاج نہیں۔ اُس کے لیے آپ نے دُعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ حالانکہ دیوانہ کُتّے کے کٹے ہوئے دیوانے ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دُعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دُعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانہ میں اِس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جیسے پہلے زمانہ میں دعائیں قبول ہوتی تھیں ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں۔

نویں دلیل

نویں دلیل قرآن شریف سے وجود باری کی "الہام" معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ مَیں نے نویں نمبر پر رکھی ہے لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالےٰ کے وجود کو یقینی طور پر ثابت کر دیتی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراھیم: ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اِس دُنیا اور اگلی دُنیا میں پکی باتیں سُنا سُنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جبکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہمکلام ہوتا رہتا ہے۔ تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے اور نہ صرف انبیاء اور رسولوں سے ہی ہمکلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی بات کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اس کی تشفی کے لئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اِس عاجز (حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ) سے بھی اُس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندہ اور بدباطن آدمیوں سے بھی اُن پر حجت قائم کرنے کے لئے بول لیتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں، چماروں، کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اُن میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا۔ اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہدے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آ گئے۔ اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے۔ چنانچہ تورات اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی اِن ترقیوں کا جن کو دیکھ کر اب دنیا حیران ہے پہلے سے ذکر موجود تھا۔ اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ۔ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً

اوّل:- اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ (التکویر: ۵) یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی۔ اور حدیث مسلم میں اِس کی تفسیر یہ ہے کہ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا[1] یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایسے ایسے صاف اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں یہی سواری ہے جو حبس مارے چلے گی اور اپنے آگے دُھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی۔ اور سواری و بار برداری کے لحاظ سے حِمَار کی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ مع شرح النووی صٓ۸۵ ، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صٓ۴۹۳

جا بجا ہوگی۔ اور چلتے وقت ایک آواز کرے گی۔ وغیرہ ذالک[1]۔

دوم:۔ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ (التکویر: ۱۱) یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا۔ آجکل بباعث چھاپہ کی کلوں کے جسقدر اس زمانے میں کثرتِ اشاعت کتابوں کی ہوئی اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم:۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ (التکویر: ۸) نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہوجانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھ کر متصور نہیں۔

چہارم:۔ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔ (النّٰزِعٰتِ: ۷، ۸) متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا۔ یہانتک کہ زمین کانپنے والی بن جائے۔ سو یہ زمانہ اس کے لیے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم:۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا۔ (بنی اسرائیل: ۵۹) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے کچھ مدت پہلے ہلاک نہیں کرینگے یا کسی حد تک اُس پر عذاب وارد نہیں کرینگے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں اور اس شدّت سے وقوع میں آئے ہیں کہ مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔

پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر و توانا مدبّر بالارادہ عالم الغیب ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مامور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی کہ

اوّل۔ يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۰ء صفحہ ۲۴۱)

کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہوجائینگی تیری مدد وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں میں ہم آپ القا کریں گے مگر چاہیئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بدخلقی نہ کرے اور چاہیئے کہ تو اُن کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ ایک شخص ایک ایسے گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے بھی مہذب دُنیا میں سے کوئی آگاہ نہیں یہ اعلان کرتا ہے۔ پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دُنیا دیکھتی ہے کہ امریکہ و افریقہ سے لے کر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں۔ اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے

---

[1] دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۰۔ تَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَبْسِ سَيْلٍ اَمَامَهُ جَبَلُ دُخَانٍ نیز دیکھو بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۵۳ کہ رَكْبٌ ذَوَاتُ السُّرُوْجِ وَالْفُرُوْجِ۔ کہ وہ ایسی سواریاں ہونگی جن میں بہت سے چراغ روشن ہونگے اور اُن کے اندر بہت سے دروازے کھڑکیاں ہونگی۔ خادم

مصافحہ و ملاقات کرنا کسی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے اور قادیان کا نام تمام دُنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے؟ اور کیا یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جائے؟

دوم :- عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ "میں خُدا سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد آئے کہ اسلام دُنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خُدا! تُو ایسا ہی کر۔ اے خُدا! اسلام کو ہلاک کر۔" تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السّلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ "اے جو مدعیٔ نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دُعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالےٰ سے دُعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو" (ٹیلیگراف امریکہ ۵ جولائی ۱۹۰۳ء) لیکن اُس نے رعونت سے کہا "کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں اِن مچھروں اور مکھیوں کا جواب دُونگا اگر میں اپنا پاؤں اُن پر رکھوں تو اُن کو کچل کر مار ڈالونگا" (ڈوئی کا پرچہ نیوز آف ہیلنگ دسمبر ۱۹۰۳ء) مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اُسی اشتہار ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء میں شائع کیا تھا کہ "اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا! یہ فیصلہ جلد کر۔ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے"؟

پھر اس کے بعد سُنو کیا ہوا۔ وہ جو شہزادوں کی زندگی بسر کیا کرتا تھا جس کے پاس سات کروڑ روپیہ تھا۔ اُس کی بیوی اور اُس کا بیٹا اس کے دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے آخر اُس پر فالج گرا۔ پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ ۱۹۰۷ء میں بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے سے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السّلام نے ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا "خدا فرماتا ہے کہ میں ایک تازہ نشان ظاہر کرونگا جس میں فتح عظیم ہوگی۔ وہ تمام دُنیا کے لئے ایک نشان ہوگا" ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دُنیا۔ پُرانی اور نئی دُنیا دونوں پر حضور کی فتح تھی۔

سوم :- آریوں کا ایک نامی لیڈر لیکھرام تھا۔ رسالہ کرامات الصادقین مطبوعہ صفر ۱۳۰۸ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے میری دُعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگا۔ اور اس کا جُرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں اُس کے مرنے کی صورت بھی بتا دی عِجْلٌ جَسَدٌ لَهٗ خُوَارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء مشمولہ آئینہ کمالاتِ اسلام) یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بے جان ہے اور اس میں محض ایک آواز ہے جس میں رُوحانیت نہیں۔ اس لئے اس کو عذاب دیا جائیگا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا۔ اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا۔ پھر ۲ اپریل ۱۸۹۳ء کو آپ نے ایک کشف دیکھا (برکات الدعا حاشیہ ۳۳ طبع اوّل) کہ ایک قوی مہیب شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شداد و غلاظ سے ہے وہ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟

پھر کراماتُ الصادقین کے ایک شعر سے دن بھی بتا دیا ؎

وَبَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا ۔ سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ

یعنی عید سے دوسرے دن یعنی ہفتہ والے دن اور ؎

اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ ۔ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتا دی۔ آخر لیکھرام ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل کیا گیا اور سب نے
متفق اللفظ ہو کر بیان کیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کے لئے حجّتِ ناطقہ
ٹھہری۔ پس الہام ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوتے خدا کا انکار کرنا انتہائی ہٹ دھرمی ہے۔

دسویں دلیل

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کے لئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے
اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا
(العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اور
اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا ہے۔ وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا مُنکر ہو اُسے
تو ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اگر خدا ہے تو اس کے لئے بہت مشکل ہوگی۔ پس اس خیال سے اگر سچائی
دریافت کرنے کی اُس کے دل میں تڑپ ہو تو اُسے چاہیئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ
میں دُعا کرے کہ اے خُدا! اگر تُو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں والا
ہے تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تا کہ مَیں
محروم نہ رہ جاؤں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دُعا کریگا اور کم سے کم چالیس دن تک اس پر عمل کریگا تو
خواہ اُس کی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو۔ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو ربّ العالمین ضرور اس کی ہدایت
کریگا اور وہ جلد دیکھ لیگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اُس پر اپنا وجود ثابت کر دیگا کہ اُس کے دل کی شک
وشبہ کی نجاست بالکل دور ہو جائے گی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا۔
پس سچائی کے طالبوں کے لئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟

گیارہویں دلیل

دُنیا میں تمام اشیاء جس قدر ہمیں دکھائی دیتی ہیں سب مرکب ہیں۔ ہوا کو لو وہ
بھی مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔ لہٰذا جب سب مرکب ہوئیں تو ان
کو ترکیب دینے والا بھی ضروری ہے۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود مرکب ہو سکتی ہیں تو یہ بات مشاہدۃً غلط ہے
مثلاً درخت سے پھل یا پتے توڑ کر پھینک دیئے جائیں۔ تو وہی پھل اور پتے دوبارہ خود بخود اس درخت سے
نہیں لگتے جس سے ثابت ہوا کہ مرکب ہونا اُن کا خاصہ نہیں۔ ورنہ جب توڑے جاتے پھر لگ جاتے۔

بارہویں دلیل

نظامِ عالم میں ترتیب ہے مثلاً سُورج روشنی دیتا ہے۔ کھیتیاں پکاتا ہے۔ وغیرہ۔
چاندرات کی مشعل ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ غرض دُنیا میں بہت سی چیزیں
انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اب ان کے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں (۱) یا تو کہا جائے کہ یہ سب
اتفاقی ہیں، لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اتفاقی وہ ہوتی ہے جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے

کہ وہ سب اپنی مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجائے ایک خُدا کے کئی خدا تسلیم کرنے پڑینگے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ہم کہیں۔ نہ یہ سب اتفاقی ہیں۔ نہ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک حکمران کے قبضۂ قدرت کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ غرض تینوں صورتوں سے دہریوں کا مذہب باطل ہے۔

تیرہویں دلیل دُنیا یا خود بخود ہے یا کسی نے بنائی ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود ہے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا اور فاعل کا وجود فعل سے پہلے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ سو اگر عدم سے وجود میں آنے کا فاعل دُنیا ہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے موجود تھی جو بالبداہت باطل ہے۔ رہی دوسری بات کہ کسی نے بنائی ہے تو یہی درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں۔

چودھویں دلیل دہریوں کا یہ دعویٰ کہ ہم خود بخود ہیں ترجیح بلا مرجح ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم خود مرجح ہیں تو یہ بات غلط ہے کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو عدم سے وجود میں آنا کیسا؟ اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور مرجح ہوگا۔ پس اسی کو ہم خُدا کہتے ہیں۔

پندرھویں دلیل دُنیا قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو قدیم ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ قدیم وہ ہوسکتی ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور دُنیا کی ہر چیز دوسری کی محتاج ہے۔ مثلاً بارش نہ ہو تو زمین اکیلی کچھ نہیں اُگا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ دُنیا قدیم نہیں۔ جب قدیم نہ ہوئی تو حادث ٹھہری اور حادث کا کوئی مُحدِث چاہیئے۔ سو وہی خدا ہے۔

سولھویں دلیل دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ جو چیز بھی لو فطرت خود گواہی دیگی کہ ضرور بضرور کوئی نہ کوئی اِس کا پیدا کرنے والا ہے۔ سو اتنے بڑے عالم کو کہدینا کہ یہ خود بخود ہے درست نہیں۔

سترھویں دلیل (از خادم) ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کسی چیز کے اجزاء اور مرکبات سے جتنا واقف ہو اس چیز کے مستقبل کے متعلق بھی اتنا ہی اس کو علم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گھڑی ساز ایک گھڑی بناتا ہے۔ وہ چونکہ اس کے اجزاء اور مرکبات سے واقف ہے اس لئے وہ بتا سکتا ہے کہ وہ گھڑی کتنا عرصہ کام دیگی۔ مگر چونکہ انسان اپنا خالق نہیں اس لئے اپنے وجود کے اجزاء اور دُنیا کی اشیاء کی ماہیت کامل طور پر نہیں جانتا۔ اس لیے عالم الغیب بھی نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ہستی ہو جو آئندہ کے تمام حالات جانتی ہو۔ تو یقیناً وہ خالقِ دُنیا (خدا) ہوگی۔ خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کو دُنیا میں بھیجتا ہے (جو بوجہ انسان ہونے کے بذاتِ خود غیب نہیں جانتے) مگر خدا تعالیٰ اُن پر آئندہ کی خبریں کھولتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷،۲۸) اور اس طریق سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ساڑھے تیرہ

سو سال قبل بتایا تھا کہ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس : ۹۳) کہ فرعون کے ساتھ جب وہ ڈوب رہا تھا خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کا جسم محفوظ رہیگا۔ تورات نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ فرعون مع اپنے رتھ کے سمندر میں پتھر کی طرح غرق ہوگیا، لیکن قرآن نے بتایا کہ اُس کی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں اس کا محفوظ جسم برآمد ہونا قرآن کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے۔ اسی طرح چاند سُورج کو رمضان کے مہینہ میں ۱۳ر اور ۲۸ تاریخ کو گرہن لگنا۔ اور اس کا امام مہدیؑ کی صداقت پر گواہ ہونا اور پھر اس نشان کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے زمانہ ۱۸۹۴ء میں بعینہٖ پورا ہو جانا خُدا کی ہستی اور آنحضرتؐ کی صداقت پر بُرہان قاطع ہے۔

(سنن دارقطنی باب صفة صلوٰة الخسوف والکسوف وھیئتھما صفحہ ۱۸۸ ۔ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ)

دہریوں کے اعتراضات معہ جوابات

(۱) چونکہ خدا نظر نہیں آتا اِس لئے معلوم ہوا کہ اُس کا وجود وہم ہی وہم ہے؟

جواب اوّل :۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ جیسے عقل۔ ہوا۔ رُوح۔ بجلی اور زمانہ وغیرہ۔ مگر دہریہ اِن چیزوں کے وجود کے مقر ہیں۔

جواب دوم :۔ اگر خدا لوگوں کو نظر آیا بھی کرتا۔ تب بھی اس کو ہر شخص تسلیم نہ کرتا۔ مثلاً اندھوں کو کس طرح نظر آتا؟ دہریہ اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دُنیا کی تشفی ہو سکتی۔

جواب سوم :۔ اگر آنکھوں سے نظر آجائے اور سب لوگ اُس جلال والی ہستی کا مشاہدہ کریں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جائے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جائیں۔ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو یا دیکھنے والے کی آنکھ سے دُور ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے۔ سمتیں مخلوق کی ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرے علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا اور محدود ہونا نقص ہے اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ نیز وہ ہر جگہ موجود ہے۔ آنکھ سے دور ہستی نہیں۔ سچ ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام : ۱۰۴)

(۲) اعتراض دوم :۔ اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ اُن کا اُتارنے والا بھی ایک مانا جاتا، لیکن چونکہ اختلاف ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب اوّل :۔ مذہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماریوں میں

مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق شریعت تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم رہنے کی وجہ سے بے غیرتی کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس وقت خدا نے نسخہ بھیجا کہ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پُرزور طریقوں سے اُن میں جوش انتقام پیدا کیا پھر جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسیٰ کا وقت آیا۔ اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اس لئے اُن کے لئے جو نسخہ آیا اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دو۔ اس کے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آگیا کہ دُنیا کے لوگ دور دراز ملکوں کے آپس میں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جس کی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اِس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا کہ موقع و محل کے مطابق عمل کرو انتقام کے موقع پر انتقام۔ عفو کے موقعہ پر عفو۔ غرض اختلاف مذاہب سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو دُنیا میں جسقدر مذاہب ہیں اصول میں وہ سب متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ؏

(۳) اعتراض سوم :- اگر کوئی خدا ہوتا تو دُنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی مریض اور کوئی تندرست۔ کوئی کمزور اور کوئی طاقتور۔

جواب اوّل :- یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہیں کہ ہندوستان یا پاکستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی گورنر۔

جواب دوم :- اللہ تعالیٰ نے چاند، سُورج، ہوا، پانی وغیرہ سب کو یکساں طور پر دئے ہیں پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کر کے ترقی کر جاتا ہے۔ دوسرا شخص غفلت سے کام لے کر ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور اس طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہیں بعض اُن کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن بعض اُن کے قواعد پر پوری طرح عمل نہ کر کے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

جواب سوم :- دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت کئی مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ، کوئی باورچی اور کوئی باغ کا مالی اِسی طرح اُس کے اصطبل میں مختلف قسم کے گھوڑے اور جانور ہوتے ہیں مگر اس اختلاف سے افسر کی ہستی کا انکار نہیں ہو سکتا۔

(۴) اعتراض چہارم :- جو لوگ خدا کے مقر ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اگر خُدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے ؟

جواب اوّل :- نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے، ہمارے ملک میں کئی چور اور ڈاکو ہیں۔ کیا اس سے

یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہاں کوئی حاکم نہیں؟ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں حاکم ہے۔

جواب دوم:- یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لاکر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ صرف مونہہ سے کہدینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ اُن کے دل میں حقیقی ایمان نہیں بلکہ اُن کے ایمان میں ضعف ہے۔

(۵) اعتراض پنجم:- اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب اوّل:- یہ سوال مہمل ہے۔ کب اور کہاں زمانہ اور مکان ہیں جو مخلوق ہیں۔ لہٰذا حادث میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم:- اسی طرح دہریوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ دُنیا کب سے ہے؟ اگر کہیں قدیم سے تو ہم کہیں گے کہ خدا بھی قدیم ہے۔ اگر کہیں فلاں زمانہ سے تو ثابت ہوا کہ دُنیا حادث ہے۔ بتاؤ اِس حادث کا مُحدِث کون ہے؟